چھل

انوار علیگی

احساسِ کمتری کا شکار ہو جانے والے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے بڑی عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ خود نمائی کے جنون میں یہ بھول ہی جاتے ہیں کہ اُن کے اعمال دوسروں کے لیے اذیت کا باعث بن کر خود انہیں دُنیا کی نگاہوں میں حقیر تر بنا رہے ہیں۔

وہ ایک چھوٹے سے اشاعتی ادارے میں ملازم تھا۔

یہ ادارہ زیادہ تر بچوں کی کتابیں چھاپتا تھا۔ بچوں کا ایک ماہنامہ بھی نکالتا تھا۔ اس پرچے کی اشاعت باوجود کوشش کے دو ہزار سے تجاوز نہ کر سکی تھی۔ وہ اسی ماہنامے کا ایڈیٹر تھا۔

اُس کا نام الفت یار خان تھا۔ میں اُسے صرف یار خان کہا کرتا تھا۔ میں اس ادارے میں منیجر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ یار خان کی شخصیت کی طرح اُس کی عمر بھی مسئلہ کشمیر بنی ہوئی تھی۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ ساٹھ سال کا ہے۔ کوئی اُسے پچپن سال کا مانتا تھا لیکن کوئی اُسے پچاس سال سے کم کا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ بہرحال اُس کی عمر جو بھی تھی وہ اپنی اصل عمر سے دس سال کم لگتا تھا۔

کوئی [illegible] بکھرے [illegible] بال [illegible] رنگے [illegible] طور طریقوں، اپنے انداز اور رکھ رکھاؤ سے خود کو جوان ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے اُسے ہمیشہ پینٹ شرٹ میں ہی دیکھا۔ پتلونیں میرے خیال میں اُس کے پاس دو سے زیادہ نہ تھیں۔ ایک سیاہ تھی اور ایک نیوی بلیو۔ دو تین ہی قمیصیں ہوں گی۔ ایک سفید تھی اور ایک سُرخ چیک کی تھی۔ شاید ایک دھاری دار بھی تھی ۔۔۔ وہ پینٹ پر بیلٹ لگاتا تھا۔ چمڑے کی بیلٹ بہت پرانی اور گھسی ہوئی تھی۔ بیلٹ وہ بہت کس کر باندھتا تھا۔ شاید اس لیے کہ پیٹ باہر کو نکلا ہوا نظر نہ آئے۔

یار خان کی شخصیت بڑی پُراسرار تھی۔ اُس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں بلکہ اس ادارے کے جتنے ملازمین یا ملازم کہنا چاہیے کہ جتنے ملازم تھے، اتنی ہی کہانیاں تھیں۔ وہ اس ادارے میں چار پانچ سال سے تھا لیکن وہ ابھی تک کسی سے بے تکلف نہ ہوا تھا۔ دفتر خاموشی سے آتا، کام کرتا اور خاموشی سے چلا جاتا۔ اُس کا کوئی دوست نہ تھا یا اُس نے خود کسی کو دوست بنانے کی کوشش نہ کی تھی۔ اس الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے وہ اور پُراسرار بن گیا تھا۔

دوپہر کو دفتر کے لوگ یا تو کھانا دفتر میں ہی منگوا لیتے تھے یا باہر جاکر کھا آتے تھے۔ کھانا اندر کھاتے یا باہر جاکر کھاتے، کھاتے اکٹھا ہی تھے۔ لیکن یار خان ایسا شخص تھا جو کسی کے ساتھ جانا پسند نہ کرتا تھا بلکہ ۔۔۔۔۔۔ وہ اکیلے ہی باہر جاکر کھانا کھا آتا۔ شروع میں لوگوں نے اُسے اپنے ساتھ چلنے یا دفتر میں اکٹھا کھانے کی دعوت بھی دی لیکن اُس نے مسکرا کر ٹال دیا۔

دفتر میں وہ صرف دو آدمیوں سے تھوڑا سا بے تکلف تھا۔ اُن میں ایک میں تھا اور دوسرا رسالے کا نائب مدیر توقیر۔ لیکن وہ اپنے دل کی بات پھر بھی ہم لوگوں سے نہ کرتا تھا۔

کچھ کا خیال تھا کہ یار خان نے دو ناکام شادیاں کیں۔ کچھ کہتے تھے کہ اُس نے سرے سے کوئی شادی ہی نہیں کی۔ عشق کا مارا ہے۔ کسی سے عشق کیا، وہاں شادی نہ ہو سکی تو اس نے زندگی بھر کنوارا رہنے کی قسم کھالی۔

کچھ کہتے: "انھیں یاد، اُس نے ایک بیوہ سے شادی کی تھی۔ وہ بڑے تیز مزاج کی تھی۔ اس سے نبھ نہ سکی تو اس نے طلاق دے دی۔ اُس عورت سے ایک بچی ہوئی تھی، وہ اب جوان ہے لیکن میاں سے نہیں ملتی۔ وہ ماں کے پاس ہی رہتی ہے۔"

کچھ کہتے۔ "نہیں بھئی، یار خان صاحب نے ایک کمسن لڑکی سے شادی کی تھی۔ پہلے وہ ایک اخبار میں بچوں کے صفحے کے انچارج تھے، وہاں ان کے پاس بہت بچیاں آتی تھیں، وہ بچی بھی انھی میں سے ایک تھی۔ پتا نہیں والدین نے اتنی عمر کے آدمی سے شادی کیسے کر دی۔ بہرحال شادی ہو گئی اور دوسرے دن لڑکی نے طلاق بھی مانگ لی۔ طلاق کیوں مانگ لی؟ اس سلسلے میں راوی جو بیان دیتا، بڑا رنگین ہوتا۔"

وہ کبھی کبھی میرے پاس آ جاتا تھا۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہ کبھی بلا ضرورت میرے پاس آیا ہو۔ میرے پاس آتا تو میں بڑی ہمدردی سے اُس کی بات سنتا۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو اُسے حل کرتا۔ وہ بات ختم ہوتے ہی اٹھ کر جانے لگتا تو میں اُسے اصرار کر کے بٹھا لیتا۔ چپراسی سے کہہ کر اُس کے لیے چائے منگواتا اور پھر اُس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہتا۔

وہ بچوں کے رسالے کا ایڈیٹر ہی نہیں بلکہ بچوں کا مصنف بھی تھا۔ اس ادارے سے اُس کی کئی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ یہاں آنے سے پہلے وہ ایک روزنامے میں بچوں کے صفحے کا انچارج تھا۔ اُس زمانے میں اُس کا ہمارے ادارے سے ربط ضبط تھا۔ اُس اشاعتی ادارے کے مالک عرفان صاحب سے اُس کی شناسائی تھی۔ جب عرفان صاحب کا اس ادارے کے تحت بچوں کا ماہوار رسالہ نکالنے کا ارادہ ہوا تو اُن کی نظرِ انتخاب بطور ایڈیٹر الفت یار خان پر پڑی۔ اور اس طرح وہ ایڈیٹر بننے کی آرزو میں اس ادارے سے منسلک ہو گیا۔ اس ادارے میں بچوں کے مصنفین کے جتنے مسودے موصول ہوتے اُن کو پڑھنا، اُن میں سے کام کے مسودے نکالنا اور پھر ضرورت کے مطابق اصلاح کرنا اس کی اضافی ذمہ داری تھی۔

دفتر کے اکثر لوگ اُس سے مذاق کرتے رہتے تھے۔ اُسے چھیڑتے رہتے تھے۔ انھی چھیڑنے والوں میں اس ادارے کا فوٹوگرافر آفاق بھی تھا۔ وہ بچوں کے رسالے کے لیے کام کرتا تھا۔ سرورق کے لیے ٹرانسپیرنسی بناتا تھا۔ اس کے علاوہ اندر کے صفحات کے لیے سیاہ سفید تصویریں بھی بناتا تھا۔ اُس کا زیادہ تر واسطہ یار خان سے ہی تھا۔ وہ حد درجے شریر لڑکا تھا۔ یار خان کو کسی قسم کا مذاق برداشت نہ تھا اور وہ مذاق کیے بنا باز نہ آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں میں نوک جھونک شروع ہو جاتی اور کبھی کبھی بات تلخ کلامی تک پہنچ جاتی۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں فوراً آفاق کو بلا کر ڈانٹتا۔ اس طرح بات رفع دفع ہو جاتی۔

ایک دن آفاق میرے کیبن میں شرارت بھری مسکراہٹ لیے داخل ہوا اور بولا: "شاہ جی! میں آپ کے لیے ایک بڑی نادر تصویر لے کر آیا ہوں۔ آپ دیکھیں گے تو جی خوش ہو جائے گا۔"

"یار آفاق! تم شام کو میرے پاس آنا، اس وقت میں بہت مصروف ہوں، تمھاری فضول باتیں سننے کے لیے فی الحال میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے اُسے ٹالنا چاہا۔

"اوہو شاہ جی! آپ سمجھ رہے ہیں، میں مذاق کر رہا ہوں۔ خدا کے واسطے وہ تصویر تو دیکھ لیں۔ اگر جی خوش نہ ہو تو مجھ پر سو جوتے برسائیں۔ میں اگر کچھ بول جاؤں تو جو چور کی سزا، وہ میری سزا۔"

مجھے معلوم تھا کہ اُس نے ابھی گفتگو چھیڑ دی ہے، جانے کتنی بکواس اور کرے گا، لہٰذا میں نے فوراً کہا: "لاؤ دکھاؤ، کیا ہے تمھارے پاس؟"

"شاہ جی! اس طرح ناراض ہو کر دیکھیں گے تو کیا خاک مزہ آئے گا۔"

"اچھا، اب دکھاؤ گے یا میں چپراسی کو بلاؤں۔" میں نے ہنس کر اُسے دھمکی دی۔

"چپراسی کو تو خیر آپ کو بلانا ہی پڑے گا، مجھے نکالنے کے لیے نہیں، الفت یار خان کو بلانے کے لیے۔"

"یار خان کا تصویر سے کیا تعلق ہے؟"

"بڑا گہرا تعلق ہے۔" آفاق نے ایک لفافے سے تصویر نکالتے ہوئے کہا: "لیجیے، یہ دیکھیے۔"

جب میں نے اُس کے ہاتھ سے تصویر لے کر دیکھی تو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ "کمبخت! تو نے یہ تصویر کس طرح اُتاری؟"

"شاہ جی! میں نہ کہتا تھا کہ تصویر دیکھ کر آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔ آخر آپ کو مزہ آ گیا نا؟"

"یار! واقعی یہ تصویر تو کمال کی ہے، کتنی فطری۔"

"یہ کام ہوتا ہے دفتر میں بیٹھ کر، آپ نے ملاحظہ فرمایا۔" آفاق نے کہا۔

"یہ تصویر اگر عرفان صاحب کو دکھا دی جائے تو وہ یار خان کو کھڑے کھڑے نکال دیں۔ اس طرح کی کوتاہی وہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتے۔"

"پھر دکھا دوں یہ تصویر عرفان صاحب کو؟"

میں نے کہا: "نہیں، ایسا غضب نہ کرنا، فضول میں بڑے میاں کی نوکری چلی جائے گی۔ ویسے یہ ہے کمال کا پوز، یار خان کو دکھانا چاہیے، ذرا تفریح رہے گی۔"

"شاہ جی! کیوں مجھے گالیاں کھلوانا چاہ رہے ہیں، یہ کام میری غیر موجودگی میں کریں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ۔" میں نے کہا۔

"تفریح کے ساتھ ذرا انھیں کس بھی دیں، تاکہ آئندہ اس طرح کی کوتاہی نہ ہو۔"

"ہاں، میں انھیں سمجھا دوں گا۔" میں نے کہا اور آفاق کے جانے کے بعد گھنٹی بجائی۔ چپراسی فیض محمد اندر داخل ہوا۔

"جی صاحب؟"

"یار خان آ گئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی صاحب! ابھی آئے ہیں۔"

"ذرا انھیں بلاؤ۔"

فیض محمد کے جانے کے ایک منٹ بعد الفت یار خان اپنی سوالی صورت پر مسکراہٹ سجائے بڑی تیزی سے میرے کیبن میں داخل ہوئے اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولے: "جی، اخلاق صاحب؟"

میں نے کہا: "یار خان صاحب! ایک بات تو بتائیں۔"

"جی حکم سر!" اُن کے لہجے میں بڑی سعادت مندی تھی۔

"آج کل آپ کی رات کی مصروفیات کیا ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں اخلاق صاحب؟"

"میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ رات کو آپ کب تک جاگتے ہیں؟"

"جی، نہیں تو۔" یار خان نے جلدی سے کہا۔ "میں دس گیارہ بجے کے درمیان سو جاتا ہوں۔"

"پھر کیا وجہ ہے؟" میں نے انھیں گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاید دفتر میں کام کم ہے۔"

"آخر ہوا کیا؟" وہ گھبرا گئے۔

"[illegible] آپ کو [illegible]"

یہ سن کر اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ رنگ پیلا پڑ گیا۔ گھبرا کر بولے: "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، آپ ذرا یہ تصویر ملاحظہ فرمائیں۔" میں نے بڑے ڈرامائی انداز میں تصویر اُن کے سامنے رکھی۔ "یہ ہے منہ بولتا ثبوت۔"

تصویر دیکھ کر تو اُن کے پسینے چھوٹ گئے۔ تصویر اُن کے ہاتھوں سے [illegible] لگی۔ "یہ تصویر کس نے اُتاری ہے؟"

"یہ تصویر جس نے بھی اُتاری ہے، [illegible] لیے ہے خطرناک، آپ کی ملازمت جا سکتی ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ عرفان صاحب ان معاملات میں کس قدر سخت ہیں۔"

"واقعی مجھ سے کوتاہی ہو گئی، آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"اگر زیادہ خیال نہ رکھیں تو کم از کم اتنا خیال تو رکھیں کہ آئندہ سوتے ہوئے منہ اس قدر کھلا ہوا نظر نہ آئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر وہ تصویر اُن سے لے کر پھاڑ دی۔ انھوں نے بڑی ممنونیت سے مجھے دیکھا۔

"ہاں، ایک بات کا اور خیال رکھیے گا، اس تصویر کے خالق کو تو آپ نے پہچان لیا ہو گا۔ اُسے آپ ایک شریر لڑکا سمجھ کر معاف کر دیجیے گا۔ کیونکہ تصویر اُس نے کسی بری نیت سے نہیں اُتاری۔ صرف آپ کو تنگ کرنے کے لیے اُتاری ہے۔ اگر عرفان صاحب نے آپ کو دفتر میں سوتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"نہیں اخلاق صاحب! آپ فکر نہ کریں، آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ اور میں آفاق کو بھی کچھ نہیں کہوں گا۔"

اور انھوں نے واقعی اس مسئلے پر آفاق سے بات نہیں کی لیکن آفاق اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا۔ اُس نے شوروم کے سیلز مین سے لے کر دفتر کے چپراسی تک سب کو یہ شاہکار تصویر دکھا دی اور اگر کسی نے یہ تصویر اپنے پاس رکھنے کی خواہش کی تو اسے دے بھی دی لیکن یہ اچھا ہوا کہ یہ بات کسی نے عرفان صاحب تک نہ پہنچائی۔ سب نے اُس کو ہنسنے ہنسانے کا ذریعہ ہی سمجھا۔ کسی نے تخریب کاری کرنے کی کوشش نہ کی۔

ایک دن پھر آفاق شرارت بھری مسکراہٹ لیے میرے کیبن میں آیا اور خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"جی آفاق صاحب! کیسے آنا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کے لیے ایک خبر لے کر آیا ہوں۔" شریر مسکراہٹ بدستور اُس کے ہونٹوں پر تھی۔

"اچھا، وہ کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"الفت یار خان صاحب شادی کے چکر میں ہیں۔" اُس نے بتایا۔

"واقعی! لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"کل میری باجی ایک خاتون کو لے کر میرے گھر آئی تھیں، اُن کی بیٹی کے لیے انھوں نے رشتہ بھیجا ہے۔ وہ میرے پاس تصدیق کے لیے آئی تھیں۔ مجھ سے کہتی تھیں کہ آپ کے ادارے میں ایک لڑکا الفت یار خان ہے، وہ کیسا ہے؟"

"لڑکا!" میں نے حیرت سے کہا۔ "بھئی، خوب!"

"شاہ جی! سنیں تو، میں نے ان خاتون سے کہا، اس نام کا کوئی لڑکا ہمارے ادارے میں نہیں۔ البتہ الفت یار خان نامی ایک بڑے میاں ضرور ہمارے ہاں کام کرتے ہیں۔ بڑے میاں پر انھیں بڑی حیرت ہوئی۔ پوچھا کہ لڑکے کی کیا عمر ہو گی؟ اُس کی؟ میں نے کہا: پچاس پچپن سال سے کیا کم ہو گی۔ وہ بولیں: لڑکے نے بہت کم بتائی ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کی لڑکی کی عمر کیا ہو گی؟ کہنے لگیں: میری بیٹی تو پچیس چھبیس کی ہے۔ اس حساب سے تو وہ میری لڑکی کا باپ لگے گا۔ بس پھر وہ ہمارے گھر ایک سیکنڈ نہ رکیں۔ باجی اور میں انھیں روکتے ہی رہ گئے۔"

"یار تم بڑے شرارتی آدمی ہو، بےچارے بڑے میاں کا کام خراب کر دیا۔" میں نے ناراضی سے کہا۔

"شاہ جی! انھیں اب ضرورت کیا ہے اس عمر میں شادی کرنے کی۔ اگر کرنا ہی ہے تو کوئی مطلقہ یا بیوہ ڈھونڈیں۔ یہ کہاں کنواری

www.BooksPK.com

لڑکیوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپنی عمر سے دس سال چھوٹے لگتے ہیں لیکن اس طرح اصل عمر تو کم نہیں ہو سکتی۔"

"وہ تنہا آدمی ہے اور تنہائی بڑی ظالم چیز ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے وہ شادی کرنا چاہ رہا ہوگا۔"

"جب اتنی عمر بغیر شادی کے گزار دی تو اب شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بولا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اُس نے ابھی تک شادی نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں! اُن کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ وہ اس قدر پُراسرار آدمی ہیں کہ یہاں کوئی اُن کے بارے میں ٹھیک سے نہیں جانتا۔ یہ میرا قیاس ہے کہ انھوں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اگر کی ہوگی تو بہت پہلے کبھی کی ہوگی جس کے اب آثار تک مٹ گئے ہیں۔"

"ویسے وہ غلطی کر رہا ہے شادی کر کے نہیں، ادارے والوں کو اعتماد میں نہ لے کر۔ اُسے چاہیے کہ اگر کوئی ایسی بات ہے تو ہمیں بتا دے تاکہ آئندہ کوئی تصدیق ہو تو ہم معاملے کو سنبھال لیں۔"

یہ بات تو میں نے آفاق سے برسبیلِ تذکرہ کہہ دی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اگلے چند دنوں میں مجھے خود اس مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔

میرا کیبن شوروم کے پیچھے تھا۔ درمیان میں شیشے کی دیوار تھی جس پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں پردے ہٹا دیتا تو مجھے شوروم صاف دکھائی دینے لگتا۔ کیوں کہ شوروم کی نگرانی بھی میری ذمے داری تھی لہٰذا میں دن میں ایک دو گھنٹے کے لیے پردے ضرور ہٹا دیتا تھا۔

ایک دن اسی طرح میں پردے ہٹا کر شوروم کی گہما گہمی دیکھ رہا تھا کہ میں نے ایک فیشن ایبل خاتون کو شوروم میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ خاتون پرس بغل میں دبائے، چٹک مٹک کر چلتی ہوئی ایک سیلزمین کے پاس رکیں۔ سیلزمین نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ اُس نے میرے بارے میں کچھ پوچھا ہے۔ پھر جب وہ خاتون میرے کیبن کی طرف بڑھنے لگیں تو یقین ہو گیا۔

میرے کیبن کا ایک دروازہ شوروم کی طرف بھی کھلتا تھا۔ وہ اس دروازے سے داخل ہو کر بولیں "میں جی! اندر آ سکتی ہوں؟"

"جی آیئے۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "تشریف رکھیے۔"

"مجھے آپ سے آپ کے ادارے کے ایک ملازم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں۔"

"کس کے بارے میں اور کیوں؟" میں نے سادگی سے سوال کیا۔

"شادی کا معاملہ ہے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے الفت یار خان صاحب کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے۔ وہ کیسے آدمی ہیں؟"

"آدمی تو بظاہر ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں ظاہر ہے دفتر کے حوالے سے ہی بات کر سکتا ہوں۔"

"اُن کی عمر کیا ہوگی؟" سوال ہوا۔

"انھوں نے کیا بتائی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی پینتیس چھتیس۔" وہ بولیں۔

"اس میں دس پندرہ سال کا اضافہ کر لیجیے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"یعنی پچاس؟" انھوں نے حیرت سے کہا۔

"یہ ایک محتاط اندازہ ہے، اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔"

"یہاں وہ کس پوسٹ پر ہیں اور اُن کی تنخواہ کیا ہے؟ انھوں نے خود کو ایڈیٹر ظاہر کیا ہے اور تنخواہ تین ہزار روپے بتائی ہے۔" وہ بولیں۔

"تنخواہ میں ایک ہزار کم کر لیجیے۔ وہ بچوں کے رسالے کے ایڈیٹر ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

"یہاں بھی جھوٹ۔" وہ بولیں۔ "اپنی تعلیم کے بارے میں انھوں نے بتایا ہے کہ وہ انگلش میں ایم اے ہیں۔"

"وہ ایم اے ضرور ہیں لیکن اُردو میں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تو یہ بات ہے۔" انھوں نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"خاتون! آپ نے اپنا تعارف نہیں کروایا، آپ کون ہیں؟"

"میں ایک سماجی کارکن ہوں۔ میرا نام خالدہ احمد ہے۔ مجھے کسی نے الفت صاحب کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میرے پاس کئی رشتے ہیں۔ لڑکی والوں سے بات کرنے سے پہلے میں نے اُن کے [illegible] مناسب سمجھا۔ یہاں [illegible] معلوم ہو گئیں۔ اب میں اُن کے لیے [illegible] تلاش کروں گی۔ اچھا جی! اِن معلومات کے لیے آپ کا شکریہ۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنا پرس سنبھالا اور کھٹ کھٹ کرتی میرے کیبن سے نکل گئیں۔

اُن خاتون کے جانے کے بعد میں سوچتا رہا کہ میں نے جو معلومات دے کر اچھا کیا یا بُرا۔ ابھی میں اس معاملے پر غور ہی کر رہا تھا کہ الفت یار خان جھجکتے، شرماتے میرے کیبن میں داخل ہوئے۔

"اخلاق صاحب! کیسے ہیں آپ؟"

"جی، میں اچھا ہوں۔"

"آپ سے ایک بات کہنا تھی۔"

"جی فرمایئے۔"

"شاید میرے بارے میں آپ سے کوئی تصدیق کرنے آئے۔"

"کیسی تصدیق؟ میں سمجھا نہیں؟"

"اخلاق صاحب! سمجھا کریں نا بات کو! ایک دو جگہ میرے رشتے کی بات چل رہی ہے۔ میں نے ان لوگوں کو آپ کا نام بتا دیا ہے کہ اگر میرے بارے میں کسی قسم کی تصدیق کی ضرورت ہو تو اخلاق صاحب سے بات کر لیں۔ اخلاق صاحب! ویسے مجھے پوری اُمید ہے کہ یہاں کوئی تصدیق کرنے نہیں آئے گا۔ کیونکہ میری شخصیت ایسی ہے کہ لوگ مجھ پر جلد اعتبار کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا آ جائے تو ذرا سنبھال لیجیے گا۔" انھوں نے لجاجت سے کہا۔

"میں کس طرح سنبھالوں، یہ بھی بتا دیں؟"

"اخلاق صاحب! سب سے بڑا مسئلہ میری عمر کا ہے۔ کچھ تھوڑی سی زیادہ ہو گئی ہے لیکن میں دیکھنے میں تو بالکل فٹ فاٹ لگتا ہوں۔ [illegible] اپنی عمر پینتیس چھتیس بتاتا ہوں۔"

"شرم نہیں آتی۔" میں نے سوچا۔

"اس کے علاوہ میں نے اپنی تنخواہ اب کے تین ہزار روپے بتائی ہوئی ہے [illegible] بھی یہی بتائیں۔"

"یعنی میں خواہ مخواہ جھوٹ بولوں۔" میں نے سوچا۔

"میری تعلیم کے بارے میں لوگ پوچھتے ہیں تو میں اُن سے ایم اے [illegible] بتاتا ہوں۔ اور میں ایم اے ہوں بھی۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔ کبھی کبھی لوگ مجھ سے مضمون پوچھتے ہیں تو میں انھیں انگلش بتاتا ہوں۔ اس طرح ذرا رعب پڑ جاتا ہے۔ آپ بھی براہِ کرم ایسا ہی کریں۔"

میں نے براہِ کرم جو اُن کے ساتھ کر دیا تھا، اُس کا انھیں [illegible] پتا نہ تھا۔ میں نے انھیں بتانا مناسب نہ سمجھا لیکن اُن سے وعدہ کر لیا کہ اگر کوئی تصدیق کو آیا تو میں اُسے حسبِ منشا جواب دے دوں گا۔ میرا جواب سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے بڑی ممنونیت سے دیکھتے [illegible] کیبن میں چلے گئے۔

اُن خاتون کے بعد کوئی اور تصدیق کے لیے نہیں آیا۔ میں انتظار [illegible] کرتا رہا۔ [illegible] آفاق نے جو کوئی [illegible] اُن کے بارے میں سرگرمی [illegible] طرح [illegible] سے چھ ماہ گزر گئے۔

پھر ایک صبح کو دھماکا ہوا۔ اور یہ دھماکا آفاق نے کیا۔ میں دفتر میں ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا، اور آج جو کام کرنا تھے [illegible] کا جائزہ لے رہا تھا کہ آفاق ہیرو بنا، بڑے انداز سے میرے کیبن [illegible] داخل ہوا۔

"آج تو تمھارے تیور ہی کچھ اور ہیں، کیا کسی اخبار میں ملازمت [illegible] گئی ہے؟" میں نے اُسے چھیڑا۔

"شاہ جی! بڑی دھماکا خیز خبر لے کر آیا ہوں۔ سُنیں گے تو کرسی سے اُچھل پڑیں گے۔"

"پھر تو جلدی سناؤ؟"

"آپ کے یار خان نے شادی کر لی۔"

"کب؟"

"کل رات۔"

"یار! ہمیں تو اُس نے شادی میں بلایا نہیں۔"

"انھوں نے دفتر کے کسی آدمی کو نہیں بلایا۔"

www.BooksPK.com

"...کیسے پہنچ گئے؟"

"میں تو لڑکی والوں کی طرف سے مدعو تھا۔ اُن کی شادی ایک فلاحی ادارے کی جانب سے ہوئی ہے۔ لڑکی یتیم ہے۔ اس ادارے کی ڈائریکٹر بیگم قدیر نے مجھے وہاں فوٹو گرافی کے لیے بلایا تھا۔ جب میں نے وہاں پہنچ کر دولھا میاں کی شکل دیکھی تو حیران رہ گیا۔ میں تو خیر حیران ہی ہوا لیکن الفت صاحب مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ انھوں نے دفتر والوں کو مدعو نہ کرنے پر بڑی شرمندگی کا اظہار کیا اور وجہ یہ بتائی کہ ان سے بارات بڑے محدود افراد پر مشتمل لانے کو کہا گیا تھا۔"

"تو یار! ولیمے میں تو بلا سکتا تھا۔"

"ولیمہ کرنے کا اُن کا ارادہ نہیں، اپنے چند دوستوں کو بلا کر گھر پر دعوت کریں گے۔"

"چلو! ولیمہ بھی گیا بھاڑ میں، کم از کم شادی کا ذکر ہی کر دیتا۔ چالاک دیکھا اُس نے تین دن کی چھٹی لی ہے فیصل آباد جانے کے لیے۔ وہاں کوئی ذاتی کام ہے اُسے، ذرا آجائے دفتر پھر اُس سے میں پوچھوں گا فیصل آباد کا حال۔ یار! یہ تو چکّا خراد دیا ہے۔"

"ویسے انھوں نے مجھے قسم دی تھی کہ میں دفتر میں اُن کی شادی کا ذکر نہ کروں۔"

"یار! اُسے ہم سے کیا خوف تھا، کیا ہم اُس کی شادی رکوا دیتے؟"

"پتا نہیں شاہ جی! وہ بس عجیب قماش کے آدمی ہیں۔ ویسے ایک بات بتاؤں آپ کو۔ قسمت کے بڑے دھنی ہیں۔ بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے موصوف نے۔ لڑکی بہت خوبصورت اور کم عمر ہے۔ مشکل سے چوبیس پچیس سال کی ہوگی۔ یتیم ہونے کی وجہ سے جہیز بھی ٹھیک ٹھاک اکٹھا ہو گیا ہے۔"

"شادی کی تصویریں کہاں ہیں؟" میں نے بے چینی سے کہا۔ "وہ دکھاؤ۔"

"تصویریں آپ کو بعد دوپہر دیکھنے کو ملیں گی، میں ابھی فلم دے کر آرہا ہوں۔" آفاق نے بتایا۔

"یار! یہ تو کچھ زیادہ ہی پُرَاسرار بندہ ہے۔" مجھے رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔ "پتا نہیں اس نے کیا کیا جھوٹ بولے ہوں گے، کیا کیا سبز باغ دکھائے ہوں گے۔"

"اللہ ہی جانے۔" آفاق نے کندھے اچکا کر کہا۔

"خیر تم دوپہر کو اُس کی تصویریں تو دکھاؤ۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی۔" یہ کہہ کر آفاق چلا گیا۔

اور میں بہت دیر تک اُس کے بارے میں بیٹھا سوچتا رہا۔

اب میری اُس کے بارے میں رائے خراب ہو چکی تھی۔ میں نے دفتر میں ہمیشہ اُس کی حمایت کی تھی، اُس کا خیال رکھا تھا۔ دفتر کے لوگ اُس کے ساتھ شرارتیں کرتے تو میں اُن کو ڈانٹ دیا کرتا تھا۔ اگر میں چاہتا تو اُسے کب کا ملازمت سے نکال باہر کرتا۔ ملازمت سے نکالنے کے لیے آفاق کی اتاری ہوئی وہ تصویر ہی کافی تھی جس میں وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، بھاڑ سا منہ پھاڑے بے خبر سو رہا تھا۔ وہ تصویر اگر میں عرفان صاحب کی میز پر رکھ دیتا تو وہ اسے نکالنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہ لیتے۔ لیکن میں نے اسے وہاں بھی بچایا اور بعد میں بھی اس کا خیال رکھا۔ اس خیال کا اُس نے یہ احترام کیا کہ شادی تک میں نہ پوچھا۔ اگر بارات میں لے جانے میں کوئی مجبوری تھی تو ولیمے میں بلا لیتا۔ یہاں بھی کوئی قباحت تھی تو کم از کم شادی کا ذکر تو کرتا۔ جھوٹ بول کر چھٹیاں تو نہ لیتا۔

آخر شادی کو اس قدر راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

میں دوپہر تک الفت یار خان کی اس حرکت پر کُڑھتا رہا۔ کھانے کے وقفے کے بعد آفاق تصویریں لے کر آیا۔ تصویریں دیکھ کر تو میرے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس نے واقعی بہت زبردست ہاتھ مارا تھا۔ لڑکی اُس کے مقابلے میں نہ صرف کم عمر بلکہ خوبصورت بھی تھی۔ بڑے میاں نے اب تک شادی نہ کر کے جو صبر کیا تھا، شاید یہ اُسی صبر کا پھل تھا کہ کم عمر اور خوبصورت بیوی ملی تھی۔

تین دن کے بعد جب وہ چھٹی گزار کر دفتر آیا تو اُس کے چہرے مہرے سے کہیں ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ شادی کر کے آرہا ہے۔ اُس نے کپڑے بھی وہی پرانے پہنے ہوئے تھے۔ میرا جی چاہا کہ اُسے بلا کر ذرا شرمندہ کروں۔ اُس کے جھوٹ کا پول کھولوں۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ سوچا اگر وہ کسی چیز کو راز رکھنا چاہتا ہے تو رکھے، مجھے اس سے کیا۔

شام کو جب میں اُٹھنے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ آگیا۔ لیکن میں نے اُس پر کوئی توجہ نہ دی۔ [illegible] سامان ٹھیک کر رہا۔ وہ [illegible] ذرا آگے بڑھا۔

"اخلاق صاحب! آپ جا رہے ہیں؟" وہ بولا۔

"جی ہاں، جا رہا ہوں، کیوں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے جی۔" اُس کے لہجے میں التجا تھی۔

"جی فرمائیں؟"

"اخلاق صاحب! میں نے شادی کر لی ہے۔"

"شادی کرنا کوئی جرم تو نہیں، اچھا کیا آپ نے کر لی۔" میں نے کھردرے انداز میں کہا۔

"اخلاق صاحب! میں معذرت خواہ ہوں، آپ کو شادی میں نہ بلا سکا۔ کچھ صورتِ حال ہی ایسی تھی۔" وہ معذرت پر اتر آیا۔ شرمندگی اُس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"خیر مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ صورتِ حال کیا تھی اور یہ جو آپ مجھے بتانے آگئے ہیں تو یہ بھی آپ کی مجبوری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آفاق مجھے بتائے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس لیے آپ نے سوچا کہ خود ہی بتا کر کیوں نہ سرخرو ہو جائیں۔ تو اس سلسلے میں عرض کروں کہ شادی کرنا نہ کرنا آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر شادی میں آپ نے مجھے نہیں بلایا تو کوئی بات نہیں ہوگی آپ کی کوئی مجبوری۔" یہ کہہ کر میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور کیبن سے نکلتے ہوئے بولا۔ "اب آپ سے کل ملاقات ہوگی۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ میری شکل دیکھتا رہ گیا۔

پھر سات آٹھ مہینے خیریت سے گزر گئے۔ الفت یار خان کے بارے میں کوئی خبر نہ ملی لیکن میں سوچتا رہا کہ کوئی خبر کیوں نہیں آرہی ہے۔ میں اُس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ کس طرح بسر ہو رہی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ میاں شکر خورے کو شکر ضرور ہی دکھیں سے دے دیتا ہے۔ مجھے شکر کے بجائے خبر کی تلاش تھی، تو ایک دن وہ مجھ تک پہنچ گئی۔

اس مرتبہ یہ خبر لانے والا میرا چپراسی فیض محمد تھا۔

الفت یار خان پہلے دھرم پورے میں رہتا تھا۔ ایک کمرہ کرائے پر لیا ہوا تھا اور ساتھ کسی کو رکھا ہوا تھا۔ شادی کے بعد وہ کرشن نگر میں منتقل ہو گیا۔ یہ دو کمروں کا ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی اس میں چھ فلیٹ تھے۔ دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں فیض محمد کی بہن رہتی تھی۔ اُس کا بہنوئی انار کلی کے ایک پریس میں نوکر تھا۔ فیض محمد اپنی بہن سے ملنے اکثر جایا کرتا تھا۔ تب اُسے معلوم ہوا کہ الفت یار خان بھی اسی بلڈنگ میں رہتے ہیں۔ اس بلڈنگ میں اس کے بارے میں طرح طرح کے افسانے مشہور ہو گئے تھے۔

"صاحب جی! الفت صاحب اپنی بیوی کو گھر میں بند کر کے آتے ہیں؟" فیض محمد کہہ رہا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟" مجھے یقین نہ آیا۔

"صاحب جی، یہ بات بالکل سچ ہے۔"

"آخر کیوں، تالے میں بند کر کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"انھوں نے اپنی بیوی کو پاگل مشہور کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ میری بہن اُن کی بیوی سے ملی ہے، وہ کہتی ہے کہ اُن کی بیوی بالکل ٹھیک ہے، وہ خود پاگل ہیں۔"

"اچھا، بڑی دلچسپ بات سنا رہے ہو تم۔"

"صاحب جی! الفت صاحب بڑے شکّی مزاج آدمی ہیں۔ وہ بیوی پر شک کرتے ہیں۔ وہ اگر ذرا بھی کسی سے ہنس کر بول لے [illegible] ہیں۔ ہر وقت اُسے روکتے ٹوکتے رہتے ہیں۔ وہاں کیوں کھڑی ہوئی۔ فلاں سے کیا باتیں کر رہی تھی۔ سبزی والے کے پاس اتنی دیر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ صاحب جی! اُن کی بیوی ابھی پاگل نہیں ہے لیکن وہ اسی طرح اسے تالے میں بند کر کے آتے رہے تو وہ ضرور پاگل ہو جائے گی۔ آپ انھیں سمجھائیں جی۔ وہ آپ کی بات ضرور مان لیں گے۔"

www.BooksPK.com

بچّوں کے لیے
انتہائی دلچسپ ناول
رعایتی قیمت پر

۱۔ آدھا آدمی	۶/-	۹۔ مسٹر چکرم	۶/-
۲۔ آخری حربہ	۶/-	۱۰۔ پکارتی لاشیں	۶/-
۳۔ بینک کا اغوا	۶/-	۱۱۔ جسم کی بلائیں	۶/-
۴۔ ڈاکٹر ڈیڈ	۶/-	۱۲۔ غنڈہ ٹیکس	۶/-
۵۔ چاند کا اغوا	۶/-	۱۳۔ مردہ چور	۶/-
۶۔ شیشے کے انسان	۶/-	۱۴۔ اصل نقلی	۶/-
۷۔ انگلی کی واپسی	۶/-	۱۵۔ ڈبل کیچپ	۶/-
۸۔ مغرور مجسمہ	۶/-	۱۶۔ تیسرا روپ	۶/-
		۱۷۔ ڈینجر پلان	۱۵/۵۰

تمام کتابوں کی کل قیمت ۱۱۱/۵۰ روپے ہوتی ہے لیکن مکمل سیٹ طلب کرنے پر قیمت صرف ۵۵/- روپے ہوگی ڈاک خرچ بھی رعایتی صرف پانچ روپے ہوگا۔ مکمل سیٹ کے علاوہ آپ اپنی پسند کی چند کتابیں بھی طلب کر سکتے ہیں اس صورت میں قیمت فی کتاب ۴/- روپے اور ڈینجر پلان کی قیمت ۱۰/- روپے ہوگی۔ ڈاک خرچ ۴ کتابوں تک ۵/- روپے اور ۸ کتابوں تک ۱۰/- روپے ہوگا۔ یہ رعایتیں صرف پیشگی رقم بھیجنے پر ہی ملیں گی رقم صرف منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا نام و پتہ اور کتابوں کا نام ضرور لکھیں منی آرڈر اس پتے پر روانہ کریں۔

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ [illegible] کراچی

"اچھا! میں اُن سے بات کروں گا لیکن تم یہ باتیں دفتر میں کسی اور کو نہ بتانا۔"

"اچھا، صاحب جی۔"

فیض محمد نے مجھ سے وعدہ تو کرلیا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ دفتر کے ہر فرد کو یہ بات ضرور بتائے گا اور میں چاہتا بھی یہی تھا۔ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ بالکل رعایت نہیں برتنا چاہیے۔

فیض محمد ہفتے میں ایک بار اپنی بہن کے یہاں ضرور جاتا۔ وہ وہاں سے آتا تو اُس کے پاس میرے لیے کچھ نہ کچھ مسالہ ضرور ہوتا۔

"اب تو جی! انھوں نے پڑوس کے لوگوں پر بھی پابندی لگادی ہے۔ نہ اُن کے گھر کوئی آسکتا ہے اور نہ اُن کی بیوی کہیں جاسکتی ہے۔ وہ گھر سے سودا سلف لینے نکلتے ہیں تو بھی تالا لگا جاتے ہیں۔ عجیب آدمی ہیں یہ الفت صاحب۔"

الفت جب میرے پاس آتا تو میں اُس کا چہرہ بغور دیکھتا۔ اُس کے چہرے سے ذرا بھی یہ ظاہر نہ ہوتا کہ وہ کس قدر سفاک آدمی ہے۔ مجھے اب الفت یار خان سے نفرت ہوگئی تھی۔ وہ میرے کیبن میں آتا تو میں اُس سے مطلب کی بات کرتا۔ کام کی بات ختم ہونے پر میں ایک لمحہ بھی اُسے اپنے پاس نہ بیٹھنے دیتا۔ اب چائے پلانے کا تو سوال ہی نہ تھا۔

یار خان میرے سامنے آتا تو میری نگاہوں میں اُس کی بیوی کی تصویر گھوم جاتی۔ ایک حسین اور کم عمر لڑکی کا اس بڈھے نے کیا حال کر دیا تھا۔ میرے نزدیک اس شک کی وجہ یار خان کا بڑھاپا تھا۔ بیوی کے حسن اور کم عمری نے اُسے احساسِ کمتری میں مبتلا کردیا تھا۔ اور اب وہ اپنی بیوی پر حاوی رہنے کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا۔

الفت کے یہ ستم سُن کر میری بڑی جان جلتی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کی بیوی کو اس عفریت سے نجات دلادوں۔

پھر میں نے اس کی بیوی سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

مجھے یہ بات معلوم تھی کہ وہ جب دفتر آتا ہے تو اپنی پینٹ کی جیب سے ایک لمبی سی چابی نکال کر پنسل رکھنے کی چھوٹی سی ٹرے میں ڈال دیتا ہے۔ میرے خیال کے مطابق یہ چابی اُس تالے کی تھی جس کے پیچھے اُس کی بیوی بند ہوتی تھی۔ چابی جیب سے نکال کر وہ ٹرے میں اس لیے رکھتا تھا کہ بیٹھتے اٹھتے وقت جیب سے نکل نہ جائے۔ جب وہ کھانا کھانے باہر جاتا تو چابی اپنی جیب میں ڈال کر لے جاتا۔

مجھے یہ چابی صرف دس منٹ کے لیے درکار تھی کیونکہ اس کی نقل تیار کرنے میں اس سے زیادہ دیر نہ لگتی۔ چابی بنانے والا سامنے لوہاری گیٹ میں بیٹھتا تھا۔

میں موقع کی تلاش میں رہا۔ پھر یہ موقع بھی میرے ہاتھ آگیا۔ مجھے سرورق کے لیے ٹرانسپیرنسی پریس بھیجنا تھی۔ چاہتا تو یہ کام کسی کے ذریعے کرالیتا لیکن میں نے الفت یار خان کو بلایا اور اُس سے کہا کہ یہ ٹرانسپیرنسی پریس کے حوالے کرآئیں اور وہاں انلارجر پر اس کا فریم بھی دیکھ لیں۔ وہ خوشی خوشی فوراً پریس کے لیے روانہ ہوگئے۔ اُن کے جانے کے بعد میں نے ٹرے سے چابی اٹھائی اور باہر جاکر اُس کی نقل بنوالی۔ گھر کا پتا میں فیض سے پہلے ہی پوچھ چکا تھا۔

پھر ایک دن بعد دوپہر کو میں نے فیض محمد کو بلایا اور اُسے ہدایت کی۔ "میں دفتر سے باہر جارہا ہوں، پانچ بجے تک آجاؤں گا۔ اگر میں نہ آؤں تو الفت یار خان کو دفتر سے مت جانے دینا۔ مجھے اُن سے کام ہے اور یہ بات انھیں پانچ بجے سے پہلے مت بتانا۔"

"جی ٹھیک ہے۔" اُس نے سعادت مندی سے کہا۔

پھر میں پورے اطمینان سے دفتر سے نکلا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر میں نے اُس کے گھر کی راہ لی۔ میں یار خان کے گھر کیوں جارہا تھا، یہ بات پوری طرح میرے ذہن میں واضح نہ تھی۔ شاید میں اُس کی مظلوم بیوی کو اُس کے چنگل سے نکالنا چاہتا تھا۔

خیر جب میں اُس کے گھر کا تالا کھول کر اندر داخل ہوا تو اُس کی بیوی اُسی وقت باتھ روم سے نہا کر نکلی تھی۔

وہ مجھے دیکھ کر جھجکی، نہ پریشان ہوئی، نہ خوف کی کوئی لہر اُس کے چہرے پر آئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے اُسے کسی کا انتظار تھا اور اب اُس کا انتظار ختم ہوگیا تھا۔

اُس کے سامنے ایک خوش پوش، جوان اور خوبصورت شخص کھڑا تھا۔ وہ بڑی محویت سے مجھے دیکھتی رہی پھر مسکرائی۔ اُس کے دلکش ہونٹ وا ہوئے۔

"تم اگر چور ہو تو واپس لوٹ جاؤ، اس گھر میں تمھارے لیے کچھ نہیں ہے اور اگر تم چور نہیں ہو تو اندر آجاؤ، یہاں تمھارے لیے بہت کچھ ہے۔"

میں چور نہیں تھا جو واپس لوٹتا۔ میں آگے بڑھ گیا، اُس کے نزدیک چلا گیا۔

دوسرے دن الفت یار خان میرے پاس آیا۔ وہ بڑا بجھا بجھا سا تھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بڑے کرب سے بولا۔ "اخلاق صاحب! کل میرے گھر ایک چور آیا تھا۔ وہ جانے کس طرح کا چور تھا۔ اُس نے گھر کے کسی سامان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ بڑا بااخلاق چور تھا۔ میری بیوی اس چور کی شرافت سے بہت خوش ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایسے چوروں کو بار بار گھر میں آتے رہنا چاہیے۔ لگتا ہے، وہ سچ مچ پاگل ہوگئی ہے۔ بھلا چوروں کو کوئی یوں دعوت دیتا ہے۔"

میں بُت بنا بیٹھا رہا۔ وہ جو کہہ رہا تھا، اُسے خاموشی سے سنتا رہا۔ بھلا میں اُس سے کیسے کہتا کہ تمھاری بیوی پاگل نہیں ہوئی، اُس نے تمھیں پاگل کر دیا ہے۔